از قلم: پروفیسر مرزا محمد منوّر

علاّمہ اقبال اور کتابِ زندہ

(دُوسری قسط)

قرآن جو حضرت علاّمہ اقبال کے نزدیک کتاب زندہ ہے زندگی آموز روح عطا کرتا ہے۔ اس کا بھیجنے والا علیم و حکیم ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کی تعلیمات لازوال ہیں اور انہیں کائنات میں رونما ہونے والے حادثات سے کسی قسم کا کوئی اندیشۂ خلل نہیں۔ ہر وہ بات جو حقیقت ہے، وہ قرآن ہے، باقی باطل اور قرآن ہی کی لازوال حکمت میں اُمّتِ مُسلمہ کی قوّت و وحدت کا راز پوشیدہ ہے۔ بقول علاّمہ ؎

قلبِ مومن را کتابش قوّت است
حکمتش حبل الورید ملّت است

قرآن کی تعلیمات، روشنی، دانش، ترقی اور قوّتِ تسخیر کی ضامن ہیں، یہ ابدی فیصلے ہیں۔ چند سو سال یا چند نسلوں کی بات نہیں۔ چھوٹے چھوٹے واقعات جن سے باطل کی قوّت اُبھرتی دکھائی دے وہ ابد کے سمندر میں بُلبلے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے خدا کی مشیئت اپنا کام کر رہی ہے اور انسان کے ساتھ جو وعدۂ تسخیر کیا گیا تھا، وہ بہر صورت پورا ہو رہا ہے، مگر انسان ناشکر گذار ہے۔

" قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ " (سورہ عَبَس - ۸ - آیت ۱۷)

(بُرا ہو انسان کا، یہ کتنا ناشکرا ہے)

حق یہ ہے کہ انسان کی ہر حماقت اور ہر سرکشی اور بے صبری و کفرانِ نعمت کے باوصف جو ازلی پیمان تھا اللہ نے اسے نہیں توڑا، اور وہ تھا

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ "

(اور اس نے (خدا) آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لیے اپنی طرف سے مسخر کر دیا ہے)

چنانچہ حضرتِ علامہ یاد دلاتے ہیں۔

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست
این سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست

اور اگر یہ بے بصر آدم خدا شناس بھی ہوتا تو یہ دنیا اپنی جملہ وسعتوں کے باوصف تنگیوں کا جہنم نہ دکھائی دیتی۔

حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

(سورہ ۹ آیت ۱۱۸)

قرآنِ حکیم پوری نسل انسانی کے لیے ہے مگر جن تک قرآن نہیں پہنچا، وہ قرآن پر عمل پیرا ہونے کے اتنے ذمہ دار نہیں جتنے وہ جن کے پاس قرآن پہنچ چکا ہے۔ اُن پر قرآن کا حق ہے کہ قرآن کو اس طرح طاق میں نہ سجائیں جس طرح برہمن مینے کو طاق میں سجاتا ہے۔

در جہد فتنہ را بر خود کشادی
دو گامے رفتی از پا فتادی
برہمن از بتاں طاقِ خود آراست
تو قرآں را سرِ طاقے نہادی!

ہوتا یہی رہا ہے کہ جہد و عمل کی راہ اختیار کرنے کے بعد مسلمان جلد ہی غافل ہو جاتے ہیں اور زوال سے ہمکنار ہونے لگتے ہیں اور قرآن کو جو درسِ حیات دینے والی اور قوت بخشنے والی کتاب ہے ایک بے حس بُت کی طرح طاق کی سجاوٹ بنا لیتے ہیں۔ اسی مضمون کو ذرا زیادہ تاسف اور کرب کے ساتھ ذیل کے دو شعروں میں بیان کیا گیا ہے۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتاب زندۂ!

(تُو نے قرآن کو چھوڑ دیا لہٰذا ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ

گردشِ دوران اور انقلابِ زمانہ کے ہاتھوں عاجز ہو کر نالہ و فریاد
کرنے لگا۔ اے شبنم کی طرح زمین پر گرنے والے تیری بغل میں وہ
کتاب ہے جو کتاب زندہ ہے۔ سراسر زندگی ہے۔)

علامہ دوسری جگہ کہتے ہیں۔

نماند آں تاب و تب در خون نابش
بروید لالہ از کشتِ خرابش!
نیام او تہی چوں کیسۂ او
بطاقِ خانۂ ویراں کتابش!!

(اس کے خونِ تازہ میں وہ آب و تاب باقی نہیں رہی۔ اب اس
کی ویران کھیتی میں لالہ نہیں اُگتا، اس کی نیام اس کے کیسے کی طرح
خالی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اس نے اپنے ویران گھر میں
کتاب کو طاق پر رکھ چھوڑا ہے۔)

حضرتِ علامہ کا عقیدہ ہے، اور خود قرآن کا ارشاد ہے کہ قرآن اللہ کی رحمت ہے، برکت ہے، شفا ہے، نور ہے، اس کے باوصف اگر امّتِ مسلمہ قرآن سے منہ پھیرلے گی تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اور یہ اُمت قرآن سے منہ پھیرتی رہی ہے، قرآن کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اظہار کریں گے کہ" اے میرے ربّ! میری قوم نے تو قرآن کو رد کر دیا تھا۔"

" وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا
الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا " (سورہ، ۲۵۔ آیت ۳۰)

قرآن کریم کو نظر انداز کرنے اور قرآن سے روگرداں ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس مسلم ملت سے دنیا جہاں کی دیگر نعمتوں کی طرح قرآن بھی چھین لیا جائے گا۔ اور ایسے لوگوں (نو مسلم) کے حوالے کر دیا جائے گا جو قرآن کے حقوق ادا کریں گے۔
بقول علامہ،

ترسم آں روزے کہ محرومش کنند!
آتش اُو در دلِ دیگر زنند!

حفظِ قرآن الحمدللہ بڑی برکت، بڑا نور، بڑی نعمت، بڑی دولت،۔۔۔مگر حفظِ قرآن سے بڑھ کر جو شے قرآن کا تحفظ کرتی ہے وہ قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے، قرآن تقویٰ اور برّ کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے مطابق ہر اُس کام سے پرہیز لازم ہے۔ جو مستوجب سزا ہو۔ اور ہر اس کام کا اقدام لازم ہے جو باعث اجرِ جزیل ہو

قرآن پر عمل ایک خاص نمایاں اور جیتا جاگتا رویّہ پیدا کر دیتا ہے، جو بدی کو قبول کر ہی نہیں سکتا، خواہ وہ کسی رنگ میں ہو، وہ رویّہ نیکی کے لیے دل میں کشش پیدا کر دیتا ہے خواہ وہ کسی بھی نوعیت کی ہو۔۔۔ یہ محض تعقّل و تفکر کی بات نہیں، قرآن وجدان کو بدل دیتا ہے اور اسے وجدان بیدار ہی نہیں وجدان فعال بھی بنا دیتا ہے، گِب (GIBB) کہتے ہیں۔

"وجدانی عقل فلاسفر کی طرح یہ نہیں پوچھتی کہ خیر، صداقت یا جمال کیا ہے، وہ تو بالتاکید کہتی ہے کہ ان خصوصی احوال میں یہ عمل خیر ہے اور وہ شر ہے۔ یہ عدل ہے، وہ غیر عدل ہے"[1]

یہ خیر و شر اور ظلم و عدل میں حدِّ فاصل اور فارق کو نمایاں کرنے والی کتاب۔ یہ فرقانِ عظیم۔ پوری زندگی میں اور پوری کائنات میں خیر و عدل کا نفاذ چاہتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (سورہ ۱۶۔ آیت: ۹۰)

"اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور بھلائی کا اور قرابت داروں پر خرچ کرنے کا اور روکتا ہے بے حیائی سے، ناپسندیدہ امور سے اور سرکشی کی باتوں سے، خدا یہ تلقین کرتا ہے، ممکن ہے تمہیں نصیحت ہو اور تم یاد رکھو"۔)

اس عدل اور احسان کے مفہوم کو بندہ مومن ہی سمجھتا ہے اور وہی صحیح معنوں میں اسے اپنا سکتا اور نافذ کر سکتا ہے، یہ اس کی ذمہ داری ہے اور ذمہ داری اس لیے کہ ایمان اسے اس امر کی بخوبی قوت اور استطاعت عطا کر دیتا ہے۔ علامہ

---

[1] STUDIES IN CIVILIZATION OF ISLAM (OXFORD) 1969 ص: ۱۹۲، ۱۹۳

کہتے ہیں کہ مردِ مومن:

پیش باطل تیغ و پیشِ حق سپر!
امر و نہی او عیارِ خیر و شر!
عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم
ہم بقہر اندر مزاج او کریم!
ساز او در بزم ہا خاطر نواز!
سوز او در رزم ہا آہن گداز!
در گلستاں با عنادل ہم صفیر!
در بیاباں جرّہ بازِ صید گیر!

پھر جہاں قرآنی آئین نافذ ہوگا اس کے نفاذ کا تحفظ بھی کرنا پڑے گا، اس لیے کہ آدمی مزاجاً ایسا واقع ہوا ہے پابندیوں سے بھاگتا ہے اور تربیت سے گریز کرتا ہے، اسے نیچے کی طرف جانے میں دیر نہیں لگتی۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی روح سے منحرف ہوکر بدن کا یا بالفاظِ دیگر مادے کا غلام بن کر رہ جاتا ہے مصطفےٰ الکیک (مصری مصنف) نے استاذ عبدالکریم الخطیب کے حوالے سے لکھا ہے:-

"جب آدمی اپنے روحانی پہلو سے منحرف ہوکر گوشت پوست اور خون کی مادی زندگی پر اُتر آتا ہے تو اُس وقت وہ درندوں اور گِدھوں کی سطح سے بلند تر ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی سراسر پیکار اور مار دھاڑ کی زندگی ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ لمبے تیز دانتوں اور پنجوں کے بجائے ذرّی راکٹ اور ہائیڈروجنی مزائل کو کام میں لاتا ہے"۔ [1]

یہ حیوانی پہلو جب غالب اور حاوی ہوجاتا ہے تو آدمی جانتے بوجھتے، دیکھتے بھالتے اصولوں کو ترک کردیتا ہے، کارخانۂ قدرت کا ہر منظر درسِ عبرت

---

[1] بین عالمین (دار المعارف ـ مصر) ص ۱۳۴ـ

پیش کرتا ہے، مگر وہ انسان نما حیوان منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ بدنی لذات اور ہوس سے آگے سوچتا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ روز بروز زمین کے ساتھ چپکتا چلا جاتا ہے اور روز بروز مزید حیوان بنتا چلا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ..." (سورۃ ۷، آیت ۱۷۵-۱۷۶)

(اے رسولؐ) ان لوگوں سے اس شخص کا ماجرا بیان کرو جس کو ہم نے اپنی نشانیاں بہم پہنچائیں اور پھر وہ اُن سے ہٹ کر الگ ہو رہا۔ اس پر شیطان نے اس کو اپنے پیچھے لگا لیا، نتیجہ یہ کہ وہ گمراہ ہو گیا۔ اگر ہمیں اپنی مرضی کرنی ہوتی تو اس (شکارِ ہوس) آدمی کو اپنی آیات کی مدد سے ضرور اوپر کو اٹھا لیتے، لیکن وہ تو زمین کے ساتھ چپکتا چلا گیا اور اپنی ہوس کے پیچھے پڑا رہا۔

مصطفےٰ الکیک کہتے ہیں:

"آدمی مزاجاً ایک تخریب پسند وجود ہے۔ اور حیوانی ہوس کا بندہ، خرابی اور بربادی کے ذوقِ فراواں کا مالک، سبب کوئی نہ کوئی احساسِ کمتری ہوتا ہے (جسے ہوس کی نا آسودگی جنم دیتی ہے) چنانچہ وہ اس کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کے درپے نقصان رہتا ہے۔ وہ عالم و فاضل بھی بن جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس کی حیوانیت اس پر غالب ہے تو وہ اس علم کو بھی تخریبی وسائل و آلات کی اختراع کا ذریعہ بنا لے گا۔ وہ وسائل و آلات جو اسے قبلاً بے علمی کے باعث میسر نہ تھے، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ کی تباہ کاریاں حیوانوں کی علمیت کا گھناؤنا منظر ہیں۔ ایٹمی اور ہائیڈروجنی اور کوبالٹی قوتوں سے وہ کام لیا گیا کہ عقلِ انسانی دنگ رہ گئی، تاہم آدمی کو وہ ذرائع ضرور بہم پہنچ گئے جن کی مدد سے وہ اپنے ہی معاشرے کو تہس نہس کر دے، زندگی کے آثار تلف

کرنے اور کرۂ ارضی کے پرخچے اُڑا کر اسے گرد و غبار میں تبدیل
کر ڈالے"۔ [1]

وحوش اور وہ بھی درندے عموماً انسانی وجود سے بدکتے ہیں اور وحشت کے جوش میں جب موقع ملے حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم ان وحشیوں کا ہے جو شکلاً آدمی نظر آتے ہیں لہٰذا انسانی معاشرے کے افراد کو بھی ان سے خطرہ رہتا ہے اور پوری اجتماعی زندگی کو بھی، مگر جہاں تک اسلامی معاشرے کا تعلق ہے، ہر غیر مسلم معاشرے کو اس سے کد ہوتی ہے، خدا کا انکار کرنے والوں کو قرآن نے بدترین چوپاؤں اور حیوانوں میں شامل کیا ہے:۔

"اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ـ" (سورہ ۸۔ آیت ۵۵۔)

گویا غیر مومن کی خوئے حیوانی کو اسلامی معاشرے سے خواہ مخواہ کا بَیر ہوتا ہے۔ بقول حضرتِ علامہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرار بولہبی!

ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ آئینِ قرآن پر استوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس معاشرے کا تحفظ قرآن کے عمل نفاذ کا تحفظ ہے۔ اس تحفظ کے لیے قوت بھی قرآن ہی کی روشنی میں حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن دفاع کو مضبوط بنانے اور مضبوط رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ حق و باطل کی آمیزش دائمی ہے۔ لہٰذا دفاع کے ضمن میں یہ مستعدی اور تیاری بھی دائمی ہے، اسی لیے تو قرآن کی ہدایت ہے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ
الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

(جہاں تک بس چلے ان کے (کفار) کے لیے قوت (FORCE) تیار رکھو،

---

[1] بین عالمین۔ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵۔

اور رسالے بھی، تاکہ اپنی قوت و تیاری کے باعث تم اپنے اور اپنے خدا کے دشمنوں کو ڈرائے رکھو۔"

چنانچہ حضرتِ علامہ نے شرف النساء بیگم کی زبانی وہ الفاظ برنگِ شعر "جاوید نامہ" میں سموئے ہیں جو شرف النساء بیگم نے مرتے دم اپنی والدہ سے کہے تھے، ان الفاظ میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ قرآن کی ہدایت اسلامی معاشرے کی تعمیر کرتی ہے، اور تلوار یعنی دفاعی قوت ہر ایسے معاشرے کا تحفظ کرتی ہے جہاں قرآن نافذ ہو۔

برلب او چوں دم آخر رسید!
سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید
گفت اگر از راز من داری خبر
سوئے ایں شمشیر و ایں قرآن نگر
ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند!
کائناتِ زندگی را محور اند!

اور مزید یہ کہا کہ قرآن اور شمشیر کو مجھ سے جُدا نہ کرنا، میری قبر پر نہ گنبد تعمیر کرنا اور نہ قندیل جلانا، بس قرآن اور شمشیر وہاں موجود رہے۔ میری تربت کے لیے یہی سرو سامان کافی ہے، یعنی آئینِ حیات قرآن ہے۔ جس میں فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض اساسی اصولوں کے انداز میں درج ہیں اور جس میں یہ بھی بالوضاحت بتا دیا گیا ہے کہ ہر فرد خدا کے حضور جواب دہ ہے۔ کوئی جان کسی دوسرے کے اعمال بد کا بار نہیں اُٹھائے گی۔ لہٰذا کوئی ابدی گناہ طوق کی طرح اولادِ آدم کے گلے میں پڑا ہُوا نہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ ہر فرد کے روابط خود اپنی ذات سے کیا ہیں، افرادِ معاشرہ سے کیا ہیں اور خداوند تعالےٰ سے کیا ہیں۔ اس بنیاد پر اسلامی معاشرہ استوار ہوتا ہے۔ وہ معاشرہ جس کی بنا خدا کی توحید پر ایمان ہے اور جو اصولاً ہر فرد سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ذاتی اعمال میں بھی توحید ہو، اس کے سلوک میں تضاد و تفریق نہ ہو، شخصیت منتشر نہ ہو، اسی طرح آدم کے اجتماعی رویے میں بھی توحید ہو، تضاد و افتراق نہ ہو، یہ احساس توحید ایک خاص طرح کا توازن اور تناسب پیدا کر دیتا ہے جس سے مردِ مومن

کا زندگی اور کائنات کے بارے میں ایک مخصوص نقطۂ نظر بن جاتا ہے۔ ایک مخصوص طرزِ عمل وجود میں آجاتا ہے۔ اس مخصوص کیفیت یا رنگ کی بدولت مومن جہاں بھی ہوگا پہچان لیا جائے گا، اہلِ توحید کا توحیدی رویّہ انہیں متحد کر دیتا ہے۔ اور وہ کروڑوں سینوں کے باوصف یک دل ہوتے ہیں۔ اس بات کو MAURICE GAUDFROY DEMUMBYNES نے اپنے الفاظ میں اس طرح دہرایا ہے:

> "اگرچہ باختلاف زمان و مکان مسلمان اقوام میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں مگر اُن کے مشترک اعمال و رسوم اور افعال اور آداب نے انہیں بدستورِ حیاتِ تازہ دی ہوئی ہے۔" [۱]

اور آگے چل کر یہی مصنّف رقم طراز ہے۔

> "مسلم معاشروں میں گو دولت کی رعایت سے یا منصب کے باعث طبقات پیدا ہو گئے ہیں، اس کے باوصف برابری اور مساوات کا احساس موجود رہتا ہے جو بڑے حیرتناک انداز میں ان کے مشترک رویّے اور آہنگ میں جلوہ گر ہے۔" [۲]

حضرتِ علّامہ اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

؎ چیست ملّت اے کہ گوئی لا الٰہ !!
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ
اہلِ حق را حجت دعوی یکیست
خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکیست

اس موضوع کے باب میں سی۔ ڈبلیو سمتھ، کا قول بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "زندگی کے تقریباً ہر شعبے کو خواہ وہ کسی بھی موضوع سے متعلق تھا اسلامی رنگ میں رنگ دیا گیا، اور یہی وہ اسلامی ڈھانچہ

۱۔ MUSLIM INSTITUTE ص ۱۵۹

۲۔ ایضاً ص ۱۷۵

ہے جس نے اسلامی معاشرے کو یک جہتی بھی عطا کی اور زور اور ولولہ بھی، اس وحدت آموز قوّت (توحیدی قوّت) کا مرکز دینی ضابطہ اور آئین تھا جو اپنے طاقت ور اور صریح ولولے کے جلو میں ہر بات کو نظم و ترتیب سے نواز رہا تھا۔ عبادات سے لے کر حقوقِ ملکیت تک سب معاملات اس کے زیرِ اثر تھے .... اسلامی آئین (فقہ) نے مسلمان معاشرے کو قرطبہ (ہسپانیہ) سے لے کر ملتان تک وحدت سے نواز رکھا ہے، یہی نہیں بلکہ اس نے مسلمان فرد کو بھی (خود اس کی ذات میں) وحدت سے نواز رکھا ہے، اس لیے اس کی ساری زندگی کو اس پاکیزہ سانچے نے عملاً منضبط اور منظم کر کے ایک با معنیٰ اور بھرپور کل بنا دیا تھا۔" لے

اور حضرتِ علاّمہ عالم اسلام کی اسی ہم آہنگ کیفیت کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں :

ملّت از یک رنگیٔ دلہا ستے !
روشن از یک جلوہ ایں مینا ستے
قوم را اندیشہ ہا باید یکے !
در ضمیرش مدّعا باید یکے
مدّعائے ما مآلِ ما یکیست !
طرزِ و انداز خیالِ ما یکیست

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، جو معاشرہ توحید کی اساس پر استوار ہو گا، اس معاشرے سے ہر باطل کو پُر خاش ہو گی۔ حق اور باطل میں تصادم بالکل طبعی حقیقت ہے۔ کائنات میں فقط دو ملّتیں ہیں —— ایک اسلام، اور ایک کفر، ان دونوں ملّتوں کی باہمی چپقلش یا بالفاظ علاّمہ اقبال "چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری" اس وقت سے جاری ہے جب سے وحی نازل

لے ISLAM IN MODERN HISTORY ص ۳۷ -

ہونے لگی، اللہ نے انبیاء کو بھیجنا شروع کیا اور اسلام آنے لگا۔ اور پھر انسان کی درجہ بدرجہ عقلی اور ذہنی ترقی کے ساتھ وحی قدم بہ قدم آگے چلنے لگی۔ تا آنکہ خداوند کریم نے آدم کو عقل و ذہن کی وہ پختگی عطا کر دی جسے بلوغت کہتے ہیں۔ جب یہ مرحلہ آگیا تو کامل ترین مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کی صورت میں بخش دی، حضور ہمہ نوعی اعتبار سے نمونۂ اتم و اکمل، حضورؐ کے افعال، اعمال اور اقوال اور احوال امت کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہیں۔ اس قرآن اور سنت کے ہوتے مزید نہ کسی وحی کی ضرورت اور نہ کسی صاحبِ وحی کی، بقول علامہ اقبال:

آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم!
حکمت او لا زوال ست و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات!
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں!
حاملِ او رحمۃ للعالمیں!

اگر کتاب آخری کتاب ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ امتِ اسلامیہ بھی آخری امت ہے۔ لہٰذا پھر حضورؐ تمام جہانوں کے لیے ہیں۔ آپ کا اسوۂ حسنہ بھی تمام جہانوں کے لیے ہے اور یہ امت بھی تمام جہانوں کے لیے ہے۔ قرآن حکیم کا اعلان ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ (سورہ ۳۔ آیت ۱۱۰)

اور اسی طرح دوسرے موقع پر فرمایا:

" وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ
شَهِيدًا ط (سورہ ۲۔ آیت ۱۴۳)

(جاری ہے)